5177CH02

باب 2

دیہی اور شہری سماج میں سماجی تبدیلی اور سماجی نظام
(SOCIAL CHANGE AND SOCIAL ORDER IN RURAL AND URBAN SOCIETY)

اکثر کہا جاتا ہے کہ صرف تبدیلی ہی سماج کا نہ بدلنے والا پہلو ہے۔ جدید معاشرے میں رہنے والے کسی شخص کو بھی یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ لگا تار تبدیلی ہمارے سماج کی سب سے زیادہ مستقل خصوصیات میں سے ایک ہے۔ درحقیقت خود سماجیات کا مضمون مغربی یوروپ میں سترہویں اور انیسویں صدی کے درمیان سماج جن تیز رفتار تبدیلیوں سے گزرا ان کو سمجھنے کی ایک کوشش کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔

اگر چہ سماجی تبدیلی جدید زندگی کی ایک عام اور ظاہر حقیقت ہے۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مقابلتاً ایک بہت ہی نئی اور حال کی حقیقت ہے۔ ایک تخمینہ کے مطابق کرۂ ارض پر انسان 5 لاکھ سال سے رہ رہے ہیں لیکن ان کا مہذب وجود محض تقریباً 6 ہزار سال سے ہے۔ تہذیب کے ان سالوں میں سے صرف گزشتہ 400 برس ایسے ہیں جن میں متواتر اور تیز رفتار تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔ تبدیلی میں بھی رفتار گزشتہ 100 برسوں میں بڑھی ہے۔ چونکہ تبدیلی کی رفتار میں لگا تار اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا! یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ ان سو برسوں کے دوسرے 50 سالوں میں پہلے کے پچاس سالوں کے مقابلے تبدیلی کی رفتار تیز تر رہی ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں میں شاید دنیا شروع کے تیس برسوں کے مقابلے آخری بیس سالوں میں زیادہ بدلی ہے۔

انسانی تاریخ کی گھڑی

انسان زمین پر گزشتہ نصف میلین برسوں سے موجود ہیں۔ زراعت جو ایک جگہ قائم ہوئی آبادیوں کے لیے ضروری بنیاد ہے، محض 12 ہزار سال پرانی ہے۔ تہذیبیں چھ ہزار سال سے زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ اگر اب تک ہم انسان کے وجود کے پورے عرصہ کو ایک روز مان لیں (آدھی رات سے آدھی رات تک) تو زراعت 11:56 بجے وجود میں آئی اور تہذیبیں 11:57 پر۔ جدید معاشروں کی ابتدا 11:59:30 بجے وجود میں آئی۔ غالباً اتنی ہی تبدیلی اس انسانی روز میں پچھلے 30 سیکنڈ میں ہوئی ہے جتنی پورے وقت میں۔

ماخذ: اینتھونی گڈنز 2004 سماجیات (چوتھا ایڈیشن) صفحہ 40

عملی کام 1

اپنے بڑوں اور بزرگوں سے بات کیجیے اور اپنی زندگی کی ان چیزوں کی فہرست تیار کیجیے (a) جب آپ کے والدین آپ کی عمر کے تھے تو ان چیزوں کا وجود ہی نہ تھا (b) جب آپ کے دادا، دادی آپ کی عمر کے تھے تو ان کا وجود نہ تھا۔

مثلاً کالا و سفید اور رنگین ٹی۔وی؛ پلاسٹک کی تھیلیوں میں دودھ؛ کپڑوں میں لگی زپ، پلاسٹک کی بالٹیاں وغیرہ۔ کیا یہ سب چیزیں آپ کے والدین کے بچپن میں موجود تھیں؟ یا آپ کے دادا، پردادا کے زمانے میں تھیں؟ کیا آپ ایسی چیزوں کی فہرست تیار کر سکتے ہیں جو آپ کے والدین یا دادا دادی کے زمانے میں تھیں لیکن آپ کے زمانے میں نظر نہیں آتیں؟

سماجی تبدیلی (Social Change)

'سماجی تبدیلی' اتنی عام اصطلاح ہے کہ اسے کسی بھی قسم کی تبدیلی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اکثر کیا بھی گیا ہے۔ اس وسیع مفہوم کو محدود کرنے کے لیے ماہرینِ سماجیات کو کافی محنت کرنی پڑی تھی تا کہ اس اصطلاح کو زیادہ واضح اور مخصوص بنایا جا سکے کہ یہ اس طرح سماجی نظریہ کے لیے مفید بن سکے۔ سب سے بنیادی سطح پر سماجی تبدیلی سے مراد ان تبدیلیوں سے ہے جو اہم ہیں۔ یعنی وہ تبدیلیاں جو کسی شے یا صورت حال کی بنیاد کو ایک مدّت کے دوران بدل ڈالیں (گِڈّنز 2005:42) گویا سماجی تبدیلی میں کوئی یا تمام تبدیلیاں شامل نہیں ہیں بلکہ صرف بڑی بڑی تبدیلیاں اس کے تحت آتی ہیں۔ ایسی تبدیلیاں جو چیزوں کی بنیادی ہیئت ہی بدل ڈالیں۔ تبدیلی کے بڑے ہونے کو صرف ایسے پیمانے سے نہیں ناپا جا سکتا کہ کتنی تبدیلی واقع ہوئی ہے بلکہ اس کا پیمانہ کتنا وسیع ہے۔ یعنی یہ کہ وہ سماج کے کتنے بڑے حصے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، تبدیلیاں زور دار مگر محدود بھی ہونی چاہئیں اور وسیع بھی۔ ان کی کچھ چھاپ اور اثر سماج کے بڑے شعبے یا حصہ پر ہونا چاہیے، تب ہی انہیں سماجی تبدیلیاں کہا جا سکتا ہے۔

اس مخصوص تعریف کے بعد بھی سماجی تبدیلی ایک بہت وسیع اصطلاح رہے گی۔ اس کی مزید تعریف کی کوششوں سے اس کو ذرائع یا اسباب، اس کی ہئیت یا یہ سماج پر جس قسم کا اثر ڈالتی ہے اور اس کی رفتار کی بنیادوں پر اس کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ایسی تبدیلی کو ارتقا کا نام دیا گیا ہے جو ایک عرصہ کے دوران آہستہ آہستہ واقع ہوتی ہے۔ اس اصطلاح کو قدرتی سائنس داں چارلس ڈارون نے مشہور کیا تھا جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ جاندار کس طرح نشو و نما پاتے یا ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ یعنی وہ صدیوں یا ہزاروں لاکھوں برسوں میں خود کو قدرتی حالات کے مطابق ڈھال کر کس طرح تغیّر پذیر ہوتے ہیں۔ ڈارون کے نظریئے کا زور ''بقائے اَصلح'' (The survival of the fittest) پر تھا۔ یعنی صرف وہی زندہ چیزیں باقی رہتی ہیں جو اپنے ماحول کے ساتھ خود کو بہترین طور پر ڈھال سکیں۔ جو ماحول کے مطابق خود کو نہیں ڈھال سکتیں یا اس عمل میں سُست رفتاری کا مظاہرہ

کرتی ہیں، بالآخر فنا ہوجاتی ہیں۔ ڈارون کا خیال تھا کہ انسان سمندر میں پانے والی اقسام زندگی سے یعنی مچھلیوں کی انواع واقسام سے نکلا اورنشو ونما پائی۔ پھر ارتقا پذیر ہوتے ہوئے انہوں نے زمین پر موجود دودھ پلانے والے جانوروں کی صورت اختیار کی اور مختلف مرحلوں سے گزرتے ہوئے بندروں اور چمپانزیوں کی شکل میں نشو ونما پائی۔ حتیٰ کہ آخر میں انسانی شکل کا ارتقا ہوا۔ حالاں کہ ڈارون کے نظریے میں فطری عمل کا ذکر تھا۔ لیکن جلد اس کی صورت سماجی دنیا میں تبدیل ہوگئی اور اس کے لیے ''سماجی ڈارونیت'' کی اِصطِلاح سامنے آئی۔ یہ وہ نظریہ تھا جس میں مطابقتی تبدیلی کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا۔ ارتقائی تبدیلی کے برعکس، وہ تبدیلی جو نسبتاً تیزی کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو اچانک بھی ہوسکتی ہے۔ بعض اوقات انقلابی تبدیلی کہلاتی ہے۔ اس کا استعمال سیاسی سیاق وسباق یعنی سیاسی سلسلے میں کیا جاتا ہے تب سماج کا اقتداری ڈھانچہ بہت تیزی سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب سابق حکمرانوں کی حکومت کا تختہ مخالف لوگ پلٹ دیں۔ ایسی مثالیں انقلاب فرانس (1789-1793) اور 1917 کا سویت یاانقلابِ روس ہیں۔ لیکن اس اصطلاح کا استعمال زیادہ تر دوسری طرح تیز، اچانک اور مکمل انقلابی تبدیلیوں کے لیے بھی کیا گیا ہے۔ جیسے کہ صنعتی انقلاب اور مواصلاتی انقلاب وغیرہ۔

تبدیلی کی وہ قسمیں جو اپنی طبیعت اور فطرت یا ان سے پڑنے والی چھاپ اور اثر سے پہچانی جاسکتی ہیں ان میں

عملی کام 2

انقلابِ فرانس اور صنعتی انقلاب کے حوالے سے پچھلی درسی کتابوں میں جو گفتگو کی گئی ہے، اس پر نظر ڈالیئے۔ وہ کون سی بڑی قسم کی تبدیلیاں تھیں جو ان میں سے ہر ایک انقلاب اپنے ساتھ لایا؟ کیا ان تبدیلیوں کو ''سماجی تبدیلی'' کہا جاسکتا ہے؟ کیا یہ تبدیلیاں اتنی دوررس اور اتنی تیز رفتار تھیں کہ انہیں انقلابی تبدیلی کہنا درست ہوگا؟ اپنی کتابوں میں آپ کی نظر سے دیگر قسم کی کون سی سماجی تبدیلی ہورہی، جسے انقلابی تبدیلی کا نام نہیں دیا جاسکتا؟ کن اسباب سے وہ انقلابی تبدیلیاں نہیں کہی جاسکتیں؟

ڈھانچہ کی تبدیلی اور خیالات، اقدار، اور اعتقادات کی تبدیلیاں شامل ہیں۔ ڈھانچہ کی تبدیلی سے مراد سماج کی بناوٹ میں مکمل تبدیلیاں اس کے دستور ورواج یا ان اصولوں میں تغیر اور تبدیلی جن کی بنیاد پر یہ چلتے ہیں اور قائم ہیں۔ (پچھلے باب میں ''سماجی بناوٹ'' پر گفتگو کو یاد کیجیے) مثال کے طور پر سکہ یا کرنسی کے طور پر کاغذی روپے کے ظہور نے مالیاتی بازاروں اور لین دین میں ایک بڑی تبدیلی کا آغاز کیا۔ اس تبدیلی کے آنے کے وقت تک سکّے یا کرنسی زیادہ تر قیمتی دھاتوں جیسے سونے اور چاندی کی ہوتی تھیں۔ سکّے کی قیمت براہ راست اتنے سونے اور چاندی کی قیمت کے برابر ہوا کرتی جتنی اس میں لگی ہوتی تھی۔ اس کے برعکس کاغذی کرنسی کا اس پر چھپی ہوئی قیمت یا طباعت کی لاگت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں

ہوگا۔ کاغذی روپے کے پس پشت یہ خیال کارفرما تھا کہ خدمات اوراشیا کی ادلا بدلی کوآسان بنانے کا ایک ذریعہ ہوگا نہ کہ خود میں کوئی بیش قیمت چیز ہوگا۔ جب تک یہ اپنی قیمت قابلِ یقین طور پر دکھاتا رہتا ہے، یعنی جب تک قابلِ اعتماد رہتا ہے، تقریباً ہر چیز روپے کے بطور کام کرسکتی ہے۔اس کے پیچھے خیال تھا ادھار بازار کی بنیاد ڈالنا اور بینک کاری و مالیات کے ڈھانچہ کو بدلنے میں مدد دینا تھا۔ ان تبدیلیوں نے معاشی زندگی کی تنظیم میں مزید تبدیلیاں پیدا کیں۔

اقدار اور اعتقادات کی تبدیلیاں سماجی تبدیلی بھی لاسکتی ہیں۔مثال کے طور پر بچوں اور بچپن کے بارے میں خیالات اور اعتقادات میں تبدیلیوں کی وجہ سے بہت اہم قسم کی سماجی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ایک وقت تھا کہ بچوں کو محض نوخیز بالغ مانا جاتا تھا بذات خود بچپن کا کوئی خاص تصور موجود نہیں تھا اوراس سے وابستہ دوسرے خیالات موجود تھے۔جیسے کہ بچہ کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہئے ۔مثال کے طور پر انیسویں صدی تک یہ بات صحیح اور مناسب مانی جاتی تھی کہ جوں ہی بچے اس قابل ہوں کہ کام شروع کرسکیں، انہیں کام شروع کردینا چاہیے ۔ بچے اکثر پانچ چھ برس کی عمر سے ہی اپنے

درجہ میں طالبات

خاندان کے لوگوں کے کام میں مدد کرنا شروع کر دیتے تھے۔ کارخانوں کا ابتدائی نظام بچہ مزدوروں پر ہی منحصر تھا۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے دوران بچپن کے زندگی کے ایک خاص مرحلے کے بارے میں خیالات کا اثر بڑھنا شروع ہوا۔ اس کے بعد یہ بات سوچی بھی نہ جا سکتی تھی کہ چھوٹے بچے کام پر لگائے جائیں۔ بہت سے ملکوں نے قوانین بنا کر بچہ مزدوری کو ممنوع قرار دیا۔ اسی وقت لازمی تعلیم کے خیالات بھی سامنے آئے اور یہ مانا جانے لگا کہ بچوں کو کام کرنے کی بجائے درس گاہوں میں ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں بھی بہت سے قوانین پاس کیے گئے۔ حالاں کہ ہمارے ملک میں اب بھی کچھ صنعتیں ایسی ہیں جو کم از کم جزوی طور پر تو بچہ مزدوروں پر منحصر ہیں (جیسے قالین سازی، چھوٹی چھوٹی چائے کی دکانیں اور دیگر دکانیں، ماچس کی تیلیاں تیار کرنا وغیرہ)۔ پھر بھی بچہ مزدوری غیر قانونی ہے اور بچہ کو ملازم رکھنے والے مجرموں کی طرح سزا پا سکتے ہیں۔

لیکن سماجی تبدیلی کو درجہ بند کرنے کا سب سے عام اور سہل طریقہ اس کے اسباب اور ذرائع کے مطابق درجہ بندی ہے۔ کبھی کبھی اسباب کو پہلے سے داخلی اور خارجی بنیاد پر زمرہ بند کیا جاتا ہے۔ سماجی تبدیلی کے اسباب اور ذرائع کی پانچ موٹی قسمیں ہیں: ماحولیاتی، تکنیکی یا حرفیاتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی۔

ایک بچہ نقاشی کرتے ہوئے

ماحول (ENVIRONMENT)

قدرت، ماحولیات اور طبعی ماحولیات کا سماج کی ساخت اور شکل وصورت پر ہمیشہ سے اہم اثر رہا ہے۔ یہ بات دور ماضی میں خاص طور پر صحیح تھی جب انسان قدرتی اثرات کو قابو میں کرنے کے قابل نہیں تھا مثال کے طور پر ریگستانی علاقوں میں رہنے والے لوگ میدانی علاقوں میں رہنے والے اور دریاؤں کے نزدیک بسے لوگوں کی طرح ایک جگہ جم کر کھیتی باڑی نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا جس قسم کا کھانا وہ کھاتے تھے یا جس طرح کے کپڑے پہنتے تھے، جس طرح وہ اپنی روزی کماتے تھے اور سماجی میل جول کا ان کا انداز یہ سب چیزیں بڑی حد تک ان کے ماحول کے طبعی اور آب وہوائی حالات سے متعین ہوتی تھیں۔ یہی بات ان لوگوں کے بارے میں بھی سچ تھی جو بہت زیادہ سرد آب وہوا میں رہتے تھے یا بندرگاہوں کے شہروں میں مقیم تھے؛ یا اہم تجارتی راستوں یا پہاڑی دروں کے نزدیک یا زرخیز دریائی وادیوں میں آباد تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ٹیکنالوجی وسائل میں اضافے کے ساتھ سماج پر پڑنے والے ماحولیاتی اثرات کم ہوتے جارہے ہیں۔ ٹکنالوجی قدرت کی طرف سے پیدا شدہ مسائل پر حاوی آنے یا ان کے مطابق خود کو ڈھالنے میں ہماری مدد کرتی ہے اور اس طرح مختلف قسم کے ماحولوں میں رہنے والے معاشروں کے درمیان فرق کم ہوتے جار ہے ہیں۔ دوسری جانب ٹیکنالوجی نئے طریقوں سے قدرت کو اور اس کے ساتھ ہمارے رشتے کو بھی بدلتی ہے (اس کتاب میں ماحول پر باب کو دیکھئے) لہٰذا یہ کہنا غالباً زیادہ صحیح ہوگا سماج پر قدرت کا اثر تبدیل ہو رہا ہے نہ کہ کم ہو رہا ہے۔

سیلاب کے بعد زمین دھسنے کا منظر

لیکن آپ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ اس سے سماجی تبدیلی کس طرح متاثر ہوسکتی ہے؟ ہوسکتا ہے ماحول نے سماج کو بنایا

سنوارا ہو لیکن سماجی تبدیلی کے معاملے میں اس نے کیا اور کس طرح کا کردار ادا کیا؟ اس سوال کا سب سے آسان اور محکم جواب قدرتی تباہ کاریوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اچانک اور تباہ کن واقعات جیسے زلزلے، آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا، سیلاب یا اونچی سمندری لہریں (جیسے سنامی جس نے دسمبر 2004 میں انڈونیشیا، سری لنکا، جزائر انڈمان اور تامل ناڈو کے کچھ حصوں میں تباہی مچائی) معاشروں کو شدید طور پر تبدیل کر سکتے ہیں تاریخ میں قدرتی آفات کی ایسی متعدد مثالیں ہیں جنھوں نے سماج کو پوری طرح بدل ڈالا یا پوری طرح تباہ و برباد کر دیا تبدیلی لانے کے لیے ضروری نہیں کہ ماحولی (گرد و پیش کے) یا ماحولیاتی عوامل وعناصر صرف تباہ کن ہی ہوں، یہ تعمیری بھی ہو سکتے ہیں اس کی ایک اچھی مثال (جسے مشرق وسطیٰ بھی کہا جاتا ہے) مغربی ایشیا کے صحرائی علاقوں میں تیل کی دریافت ہے۔ انیسویں صدی میں کیلی فورنیا سونے کی دریافت کی طرح، مشرق وسطیٰ میں تیل کے ذخائر نے ان معاشروں کا نقشہ پوری طرح بدل دیا ہے جہاں وہ پائے گئے ہیں۔ سعودی عرب، کویت یا متحدہ عرب امارات کے پاس اگر تیل کی یہ دولت نہ ہوتو ان کی صورت کچھ اور ہی ہوگی۔

ٹکنالوجی اور معیشت (TECHNOLOGY AND ECONOMY)

تکنیکی اور معاشی تبدیلی کا امتزاج زبردست سماجی تبدیلیوں کا ذمہ دار رہا ہے بالخصوص دور جدید میں۔ ٹیکنالوجی معاشرہ پر بہت اچھی طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ جیسا آپ نے اوپر دیکھا یہ مدافعت اور مقابلہ کرنے، قابو میں لانے، اور قدرت سے کام لینے اور ہمیں اس کے مطابق ڈھالنے میں مختلف طریقوں سے ہماری مدد کر سکتی ہے۔ بازار جیسے طاقتور ادارہ کے ساتھ مل کر ٹکنالوجی کی تبدیلی سماج پر اتنی اثر انداز ہو سکتی ہے جتنے کہ قدرتی عوامل جیسے سنامی یا تیل کی دریافت۔ بہت بڑی، وسیع اور فوری طور پر نظر آنے والی سماجی تبدیلی جو ٹیکنالوجی میں تبدیلی کی وجہ سے آئی خود صنعتی انقلاب ہے، جس کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

آپ نے یقیناً اس زبردست سماجی ہل چل کے بارے میں پڑھا ہوگا جو بھاپ کے انجن کی بنا پیدا ہوئی بھاپ سے پیدا ہونے والی قوت کی دریافت سے بڑے پیمانے کی صنعتوں کی ابھرتی قسموں کو توانائی کا ایک ایسا ذریعہ ملا جو نہ صرف جانوروں اور انسانوں سے کہیں زیادہ طاقتور تھا بلکہ اس میں یہ صلاحیت بھی تھی وہ بغیر آرام کئے لگاتار چلتا ہی رہتا تھا۔ جب بھاپ کو نقل وحمل کے ذرائع جیسے سمندری جہاز اور ریلوے کو چلانے کے کام میں استعمال کیا گیا تو اس نے دنیائی معیشت اور سماجی جغرافیہ کی کایا ہی پلٹ ڈالی۔ ریل کے راستوں نے صنعت اور تجارت کو براعظم امریکہ اور ایشیا میں مغرب کی جانب توسیع کے قابل بنایا۔ ہندوستان میں بھی ریلوے نے معیشت کی تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، بالخصوص 1853 میں معرض وجود میں

آنے کے بعد کے 100 برسوں کے دوران بھاپ سے چلنے والے سمندری جہازوں نے بحری سفر کو بہت تیز رفتار اور قابل اعتماد بنا دیا، اور اس طرح بین الاقوامی تجارت اور ترک وطن کی رفتار ہی بدل ڈالی۔ ان دونئی باتوں کی وجہ سے تبدیلی کی زبردست لہریں پیدا ہوئیں جنھوں نے نہ صرف معیشت بلکہ عالمی معاشرہ کی سماجی، ثقافتی اور آبادیاتی حدود کو ہی بدل کر رکھ دیا۔

بھاپ کی قوت اور اثر نسبتاً جلد ہی نظر آ گئے، تاہم بعض اوقات ٹکنالوجی کی تبدیلیوں کا سماج پر اثر بعد ہی میں نظر آتا ہے ہوسکتا ہے ایک ٹکنالوجیاتی ایجاد یا دریافت کا فوری اثر محدود ہو، گویا وہ بے حس حرکت رہی ہو معاشی تناظر میں بعد کی کوئی تبدیلی اسی ایجاد کی سماجی اہمیت کو اچانک بدل سکتی ہے اور اسے ایک تاریخی واقعہ کے طور پر تسلیم کرا سکتی ہے۔ اس کی کچھ مثالیں بارود اور چین میں لکھنے کے کاغذ کی دریافت ہیں۔ جن کا صدیوں تک محدود اثر رہا جب تک انہیں مغربی یوروپ کی جدید کاری کے تناظر میں شمار نہیں کر لیا گیا اس اہم مقام سے، جہاں ان دو دریافتوں کو موافق حالات سے مدد ملی۔ بارود نے جنگ کی ٹکنالوجی کو پوری طرح بدلنے میں مدد کی اور کاغذ پر چھپائی کے انقلاب نے سماج کو ہمیشہ کے لیے بدل کر رکھ دیا۔ گھر کے قریب کی ایک اور مثال برطانیہ میں کپڑے کی صنعت کے معاملے میں ٹکنالوجی کی اختراعات ہیں، بازار کی قوتوں اور شاہی حکومت کے امتزاج کے ساتھ دھاگہ بنانے اور بنائی کی نئی مشینوں نے براعظم ہند میں ہتھ کرگھے کی صنعت کو تباہ کر دیا جو اس وقت تک دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے ترقی یافتہ صنعت تھی۔

عملی کام 3

کیا آپ نے اپنی خود کی زندگی میں ایسی ٹیکنالوجیاتی تبدیلیوں کی طرف توجہ کی ہے جن کے سماجی نتائج مرتب ہوئے ہیں۔ فوٹو کاپی کی مشین اور اس سے پڑنے والے اثر کے بارے میں سوچیے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ فوٹو کاپی کی مشین کے اتنے زیادہ سستا اور آسانی سے دستیاب ہونے سے پہلے کی کیا حالت تھی؟ دوسری مثال ایس۔ ٹی۔ ڈی اسٹیشنوں کی ہوسکتی ہے۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ ان کے آنے سے پہلے لوگ کس طرح رابطہ کرتے تھے جب کہ بہت تھوڑے سے گھروں میں ٹیلی فون تھے۔ ایسی ہی کچھ دوسری مثالوں کی فہرست تیار کیجیے۔

بعض اوقات ایسی معاشی تنظیموں میں آنے والی تبدیلیاں، جن کا ٹکنالوجی سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا، بھی سماج کو بدل سکتی ہیں۔ ایک بہت معروف تاریخی مثال باغات کی زراعت (Plantation Agriculture) جس کے لیے مزدوروں کی بھاری ضرورت پیدا ہوئی۔ اس مانگ یا ضرورت نے غلامی کے چلن کو قائم کرنے میں مدد کی اور سترھویں صدی سے انیسویں صدی تک افریقہ یوروپ اور شمالی جنوبی امریکہ میں غلاموں کی تجارت ہوتی رہی۔ ہندوستان میں بھی آسام کے چائے کے باغات کے لیے مشرقی ہندوستان (بالخصوص جھاڑکھنڈ اور چھتیس گڑھ کے قبائلی علاقوں) سے مزدور جبراً ترک وطن کر کے گئے۔ آج

دنیا کے بہت سے حصوں میں بین الاقوامی معاہدوں اور بین الاقوامی تجارتی تنظیم (ڈبلیو ٹی او) جیسے اداروں کے تحت کسٹم ڈیوٹی اور دیگر محصولات میں کی جانے والی تبدیلیوں کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ پوری کی پوری صنعتیں اور پیشے ناپید ہو جائیں یا (کبھی کبھی) کچھ صنعتیں یا پیشے یکا یک تجارتی اچھال اور گرم بازاری یا خوشحالی کے دور سے گزریں۔

سیاست (Politics)

تاریخ کو لکھنے اور بیان کرنے کے پرانے طریقوں میں بادشاہوں اور ان کی بیگمات کی کارگزاریوں کو سماجی تبدیلی کی سب سے اہم قوتیں مانا جاتا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہمیں اب معلوم ہے کہ بادشاہ اور ملکہ وسیع تر سیاسی، سماجی اور معاشی میلانات کی نمائندگی کرتے تھے۔ افراد کا کردار یقیناً تھا لیکن وہ ایک بڑے تناظر اور پس منظر کا حصہ تھے۔ ان معنوں میں سیاسی قوتیں بلاشبہ سماجی تبدیلی کے اہم ترین اسباب میں سے ایک سبب رہی ہیں۔ اس کی سب سے واضح مثالیں جنگوں کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ جب کسی معاشرے نے دوسرے کے خلاف جنگ چھیڑی اور وہ فاتح بن گیا یا مفتوح ہو گیا، سماجی تبدیلی عام طور سے اس کا فوری نتیجہ رہا۔ کبھی کبھی فاتح اپنے ساتھ تبدیلی کے بیج لے کر آئے اور جہاں جہاں گئے۔ وہ بیج بوتے گئے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مفتوح فاتحوں کے درمیان تبدیلی کے بیج بونے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے معاشروں کو سرے ہی سے بدل ڈالا، حالانکہ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں، حالیہ جدید مثال پر غور کرنا باعث دلچسپی ہوگا۔ یہ مثالیں امریکہ اور جاپان کی ہیں۔

امریکہ نے دوسری عالمی جنگ میں جاپان پر مشہور زمانہ فتح حاصل کی اور یہ فتح اس نے عام تباہی کے ایسے ہتھیاروں کے استعمال سے کی جو انسانی تاریخ میں کبھی نہ دیکھے گئے تھے، یعنی ایٹم بم۔ جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد امریکہ نے کئی برس تک جاپان پر اپنا قبضہ رکھا اور وہاں حکومت کی جس کے دوران بہت سی تبدیلیاں آئیں جن میں جاپان کے اندر زمینی اصلاحات بھی شامل تھیں۔ اس وقت جاپانی صنعت امریکا کی صنعت کی نقل کرنے اور اس سے سیکھنے کی کوشش کر رہا تھا 1970 کے عشرہ آتے آتے جاپان کی صنعتی تکنیک، خاص طور پر موٹر کاریں بنانے کے میدان میں، امریکہ سے بہت آگے نکل چکی تھی۔ 1970 اور 1990 کے عشروں کے درمیان جاپانی صنعت دنیا پر چھا چکی تھی۔ اور یوروپ اور خاص طور پر امریکہ کی صنعتی تنظیم کو تبدیلیاں لانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خاص طور پر امریکہ کا صنعتی منظرنامہ جاپان کی صنعتی ٹکنا لوجی اور پیداواری تنظیم کے اثر سے یقینی طور پر تبدیل ہو گیا تھا۔ روایتی طور پر غالب بڑی بڑی صنعتیں جیسے فولاد، موٹر کاروں اور بھاری انجینئری کی صنعتوں کو زبردست دھکا لگا اور انہیں جاپانی ٹکنا لوجی اور انتظامی اصولوں کے مطابق اپنی از سر نو ساخت کرنی پڑی۔ ابھرتی صنعتیں، جیسے الیکٹرونک کا میدان، بھی جاپانیوں کی ہی اُپج تھی اور وہی ان کے پیش رو بنے۔ مختصر یہ کہ چالیس برس کے عرصے کے اندر جاپان نے امریکہ کو مات دے ڈالی۔ لیکن

جنگ کے ذریعے نہیں بلکہ معیشت اور ٹیکنالوجی کے ذریعے سے۔

ضروری نہیں کہ سیاسی تبدیلیاں محض بین الاقوامی ہی ہوں۔ ملک کے اندر بھی ان کا زبردست سماجی اثر پڑ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ نے اس بارے میں اس انداز سے نہ سوچا ہو لیکن ہندوستان کی تحریک آزادی نہ صرف برطانوی حکومت کے خاتمے کی شکل میں سیاسی تبدیلی لائی بلکہ ہندوستانی سماج کی کایا پلٹ کر کے بھی رکھ دی ایک ابھی ماضی قریب کی مثال نیپال کے لوگوں کی طرف سے 2006 میں بادشاہت کو نامنظور کرنے کی ہے۔ زیادہ تر عام طور سے سیاسی تبدیلیاں اقتدار کی مختلف سماجی گروپوں کے درمیان ازسرنو تقسیم کے ذریعے سماجی تبدیلیاں لاتی ہیں۔

اس نقطۂ نظر سے سوچا جائے تو عام حق رائے دہی یا ایک شخص ایک ووٹ، کا اصول غالباً تاریخ میں سب سے بڑی سیاسی تبدیلی ہے۔ جب تک جدید جمہوریتوں نے باقاعدہ طور پر لوگوں کو ووٹ کی طاقت نہیں دی اور جب تک حقیقی اقتدار کے استعمال کے لیے انتخابات لازمی نہیں بنائے گیے، سماج کی بناوٹ بالکل مختلف تھی۔ بادشاہ اور بیگمات دعویٰ کرتے تھے کہ انہیں حکومت کرنے کا الٰہی حق حاصل ہے اور وہ لوگوں کے سامنے جواب دہ نہیں تھے۔ جب پہلی بار ووٹ دینے کے جمہوری اصول متعارف کئے گئے تو ان میں پوری آبادی کو شامل تک نہیں کیا گیا تھا۔ درحقیقت ایک چھوٹی سی اقلیت کو ہی ووٹ کا حق تھا یا ان لوگوں تک ہی محدود تھا جو اعلیٰ حیثیت کے سماجی گروپ یا کسی خاص نسل سے تعلق رکھتے ہوں یا وہاں پیدا ہوئے ہوں یا اتنے مالدار ہوں جن کی املاک ہوں۔ ادنیٰ طبقات یا معمولی نسل سے تعلق رکھنے والے تمام مردوں اور عورتوں اور تمام مزدوروں کو حق رائے دہی حاصل نہیں تھا۔

بہت طویل جدوجہد کے بعد سب کو ووٹ دینے کا اختیار او رحق ایک اصول اور معیار بنا، اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ ادوار کی تمام عدم مساوات اس سے ختم نہیں ہوسکیں۔ آج بھی تمام مما لک جمہوری طرز حکومت پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ جہاں انتخابات منعقد کئے بھی جاتے ہیں وہاں ہیرا پھیری ہوتی ہے اور اس طرح لوگوں کے پاس حکومت کے فیصلوں کو متاثر کرنے کا حق او ر اقتدار نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سب کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عام حق رائے دہندگی ایک ایسے طاقتور اصول کا کام کرتا ہے جو ہر معاشرے اور ہر حکومت پر دباؤ ڈالتا ہے۔ کم از کم اب تو یہ نظر آنا چاہئے کہ حکومتیں لوگون کی منظوری حاصل کرتی ہیں اور وہ جائز اور قانونی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ بات اپنے ساتھ بہت بڑی سماجی تبدیلی لے کر آئی ہے۔

ثقافت (Culture)

یہاں ثقافت کا لفظ مختصر شکل میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں ایسے خیالات اقدار، اعتقادات کا بہت وسیع دائرہ آتا ہے جو لوگوں کے لیے اہم ہیں اور ان کی زندگیوں کو بنانے سنوارنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ ان خیالات اور اعتقادات میں تبدیلیاں

قدرتی طور پر سماجی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ کسی سماجی، ثقافتی ادارہ یا قانون ودستور کی سب سے عام مثال جس نے زبردست سماجی اثر ڈالا، مذہب ہے۔ مذہبی اعتقادات اور قواعد وضوابط سماج کو منظّم کرنے میں مددگار رہوئے ہیں۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ان اعتقادات کی تبدیلیوں سے سماج کو بدلنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ مذہب اتنا اہم رہا ہے کہ کچھ عالموں نے تہذیب کی تعریف مذہبی مفہوم میں کی ہے اور تاریخ کو مذہبوں کے باہمی تعلق کے طور پر دیکھا ہے۔ تاہم جیسا کہ سماجی تبدیلی دیگر عوامل اور عناصر کے معاملے میں ہے۔ مذہب بھی سیاق وسباق اور پس منظر میں محدود ہوتا ہے۔ کچھ حالات میں یہ اپنا اثر پیدا کرسکتا ہے اور کچھ میں نہیں میکس ویبر (Max Weber) کے مطالعہ The Protestant Ethic and the Spirit of capitalism سے ظاہر ہوا کہ کچھ عیسائی پروٹسٹینٹ فرقوں نے کس طرح سرمایہ دارانہ سماجی نظام کے قائم کرنے میں مدد کی۔ یہ ان مشہور ترین مثالوں میں سے ایک ہے جس سے ثقافتی اقدار کے معاشی اور سماجی تبدیلی پر پڑنے والی چھاپ اور اثر کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستان میں بھی ہمارے سامنے بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب سماجی تبدیلی لایا ہے۔ سب سے زیادہ معروف مثالوں میں قدیم ہندوستان کی سماجی اور سیاسی زندگی پر بدھ مت کا اثر اور عہد وسطیٰ کے سماجی ڈھانچہ، جس میں ذات پات کا نظام شامل ہے، پر بھکتی تحریک کا بہت پھیلا ہوا اثر ہے۔

ثقافتی تبدیلی پر سماجی تبدیلی لانے کی ایک اور مثال معاشرہ میں عورتوں کے مقام کے بارے میں خیالات کا ارتقا ہے۔ جدید دور میں جس طرح عورتوں نے مساوات کے لیے جدوجہد کی ہے، انہوں نے سماج کو بہت سے طریقوں سے بدلنے میں مدد دی ہے۔ خواتین کی لڑائیوں میں دیگر تاریخی حالات نے مدد بھی پہنچائی ہے اور رکاوٹ بھی ڈالی ہے۔ مثلاً دوسری عالمی جنگ عظیم کے دوران مغربی ممالک میں عورتوں نے کام کرنا شروع کر دیا تھا اور ایسے کام کرتی تھیں جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں کیے تھے اور جن کو ہمیشہ مرد ہی کیا کرتے تھے۔ یہ حقیقت کہ عورتیں سمندری جہاز تک بنانے کی اہل ہوگئی تھیں، بھاری مشینوں کو چلاسکتی تھیں؛ اسلحہ بناسکتی تھیں اور اسی قسم کے دوسرے کام کرنے کے قابل بھی تھیں۔ ان کے مساوات کے دعووں کے قائم کرنے میں مدد کی، لیکن یہ بات بھی اتنی ہی سچ ہے کہ اگر جنگ نہ ہوئی ہوتی تو انہیں اور زیادہ طویل عرصہ تک جدوجہد کرنا پڑتی۔ تبدیلی کی ایک بہت ہی مختلف مثال، جو خواتین کے درجہ اور حیثیت نے پیدا کی، صارفین کے لیے تشہیر میں ملتی ہے۔ زیادہ تر شہری معاشروں میں عورتیں ہی گھر بار کے لیے سامان خریدنے کے فیصلے کرتی ہیں۔ اس سے اشتہار دینے والے خواتین کی رائے اور نقطۂ نظر کے بارے میں بہت حساس ہوگئے ہیں۔ تشہیر واشتہار پر آنے والے خرچ کا بڑا حصہ عورتوں کی جانب توجہ کرنے پر کیا جاتا ہے اور اس کا اثر ذرائع ابلاغ پر پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ عورتوں کا معاشی کردار تبدیلیوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیتا ہے جس سے

زیادہ بڑی سماجی چھاپ پڑسکتی ہے مثال کے طور پر اشتہاروں میں عورتوں کو فیصلہ سازوں یا اہم لوگوں کے طور پر اس طرح دکھایا جاسکتا ہے جو پہلے نہ سوچا جاسکتا تھا اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی ہوسکتی تھی۔ عام طور پر زیادہ تر اشتہارات میں مردوں کو ہی مخاطب کیا جاتا تھا لیکن اب وہ خواتین سے بھی اتنے ہی مخاطب ہوتے ہیں اور کچھ شعبوں جیسے گھریلو استعمال کے آلات اور مشینیں اور اشیائے صرف واستعمال کے معاملے میں خاص طور پر عورتوں ہی کو مخاطب کیا جاتا ہے لہٰذا اب سامان بنانے والوں اور اشتہار دینے والوں کے لیے معاشی اعتبار سے اہم ہے کہ وہ اس پر توجہ دیں کہ خواتین کیا سوچتی اور محسوس کرتی ہیں۔

ایک اور مثال اس بات کی کہ ثقافتی تبدیلی سماجی تبدیلی لاتی ہے، کھیل کود کی تاریخ میں مل سکتی ہے۔ کھیل کود ہمیشہ مقبول تہذیب وثقافت کا اظہار رہے ہیں، جو کبھی کبھی بہت اہمیت حاصل کرلیتے ہیں۔ کرکٹ کا کھیل برطانوی شرفاء اور امراء کے مشغلہ کے طور پر شروع ہوا تھا۔ پھر یہ متوسط اور مزدور طبقوں میں پھیلا اور اس کے بعد پوری دنیا کی برطانوی نوآبادیات تک پہنچ گیا۔ جوں جوں اس کھیل نے برطانیہ کے باہر جڑیں پکڑیں یہ قومی یا نسلی فخر کی علامت بنتا گیا۔ کرکٹ کی شدید رقابت کی بہت ہی مختلف تاریخ اس کھیل کی سماجی اہمیت کو بڑے موثر انداز میں ظاہر کرتی ہے۔ انگلینڈ اور آسٹریلیا کی رقابت نے سماجی طور پر زیرنگوں نوآبادی (آسٹریلیا) کی ناراضگی کو آشکارا کیا جو انگلینڈ کے اعلیٰ طبقہ کے مرکزی اقتدار سے اسے ملی تھی۔ اسی طرح 1970 اور 1980 کے تحت رہے ویسٹ انڈیز کی کرکٹ ٹیم کا مکمل غلبہ بھی نوآبادی کے ماتحت لوگوں کے نسلی فخر کا اظہار کرتا ہے۔

ہندوستان میں بھی انگلستان کی کرکٹ ٹیم کو ہرانا خاص طور پر آزادی سے پہلے ایک خاص بات سمجھی جاتی تھی۔ دوسری سطح پر برعظیم ہندوستان میں کرکٹ کی بے پناہ مقبولیت نے اس کھیل کا تجارتی رخ بدل کر رکھ دیا ہے جس پر اب جنوبی ایشیا کے شوقینوں بالخصوص ہندوستانیوں کی مرضی کا اثر ہے۔

جیسا کہ اوپر گفتگو سے صاف ظاہر ہے کوئی ایک نظریہ یا عنصر سماجی تبدیلی کا سبب نہیں بتا سکتا۔ سماجی تبدیلی کے اسباب داخلی بھی ہو سکتے ہیں اور خارجی بھی، یہ ارادی حرکتوں کا نتیجہ بھی ہو سکتے ہیں اور حادثاتی واقعات کی بنا پر بھی۔ اس کے علاوہ سماجی تبدیلی کے اسباب اکثر ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ معاشی اور ٹیکنالوجیاتی وجوہات میں کوئی ثقافتی عنصر بھی شامل ہوسکتا ہے۔ سیاست ماحول سے متاثر ہوسکتی ہے۔ سماجی تبدیلی کے مختلف حدود اور شکلوں سے واقف ہونا ضروری اور اہم ہے۔ ہمارے لیے تبدیلی ایک اہم موضوع ہے کیونکہ دور جدید اور خاص طور پر آج کے زمانے میں تبدیلی کی رفتار پہلے کے مقابلے بہت زیادہ تیز ہے حالاں کہ سماجی تبدیلی کو اس کے واقع ہونے کے بعد بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے، ہمیں اس کے واقع ہونے کے وقت بھی اس کی واقفیت ہونی چاہیے اور جیسے بھی ممکن ہو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔

سماجی نظم (SOCIAL ORDER)

سماجی واقعات یا اعمال کا مفہوم اکثر تضاد کے ذریعے واضح ہوجاتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے وہ حروف جو اس صفحہ پر آپ پڑھ رہے ہیں۔ صاف صاف پڑھے جا سکتے ہیں کیوں کہ وہ پس منظر سے بالکل مختلف اور نمایاں ہیں۔ اسی طریقے سے سماجی تبدیلی بطور ایک عمل تسلسل یا تبدیلی کے فقدان کے پس منظر میں بامعنی ہوجاتا ہے۔ یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے لیکن تبدیلی ایک تصور کی شکل میں تب ہی بامعنی ہوتی ہے جب کچھ ایسی چیزیں ہوں جو تبدیل نہیں ہو رہی ہیں تاکہ وہ مقابلہ یا تضاد کے امکانات پیش کریں۔ دوسرے الفاظ میں سماجی تبدیلی کو سماجی نظام کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے اور یہ قائم شدہ نظاموں کا وہ رجحان ہے جو تبدیلی کی مزاحمت اور اس کو منضبط کرنے کا کام کرتا ہے۔

سماجی تبدیلی اور سماجی نظاموں کے درمیان کے رشتہ کو دیکھنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس بات پر سوچا جائے کہ سماج تبدیلی کی مزاحمت کیوں کرتا ہے، اس کی ہمت شکنی کیوں کرتا ہے یا اسے قابو میں کیوں رکھنا چاہتا ہے، خود کو ایک مضبوط اور مسابقتی سماجی نظام کے طرز پر قائم کرنے کے لیے ہر سماج کو وقت گزرنے کے ساتھ خود میں از سر نو جان ڈالنی چاہیے اور اپنے استحکام کو برقرار رکھنا چاہیے۔ استحکام کا تقاضہ ہے کیوں کہ چیزیں جیسی ہیں قریب قریب اسی طرح ہی چلتی رہیں۔ یعنی لوگ انھیں اصولوں کی پابندی کرتے رہیں کہ یکساں عمل یکساں نتائج ہی پیدا کرتے ہیں

عملی کام 4

ہم یکسانیت کو اکتا دینے والی اور تبدیلی کو جذبات ابھارنے والی چیز سمجھنے کے عادی ہیں۔ واقعتاً یہ سچ بھی ہے۔ تبدیلی لطف اندوز بھی ہوسکتی ہے اور تبدیلی کا نہ ہونا اکتاہٹ۔ لیکن ذرا سوچیے کہ اگر آپ کو ایک طرح کا کھانا کبھی دوبارہ نہ ملے اور ہر روز ایک نئی چیز کھانے کو ملے اور ایک چیز کبھی دوبارہ نصیب نہ ہو، اس سے قطع نظر کہ آپ کو یہ پسند ہے یا ناپسند، تو کیسا لگے گا؟ ایک زیادہ ڈراونا خیال یہ ہے کہ جب اسکول سے واپس آئیں تو ہر دن گھر میں نئے لوگ نظر آئیں۔ مختلف والدین، مختلف بہن، بھائی تو کیا ہوگا؟ اور کیا حال ہوگا کہ جب کبھی آپ اپنا پسندیدہ کھیل کھیلیں۔ فٹ بال، کرکٹ، والی بال یا ہا کی وغیرہ۔ تو ہر بار نئے قاعدے اور ضابطے ہوں، اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں سوچیے جہاں آپ چاہیں گے کہ چیزیں اور ضرورت سے زیادہ تیزی سے نہ بدلیں۔ کیا آپ کی زندگی کے کچھ حصے ایسے ہیں جہاں آپ تیزی سے تبدیلی چاہیں گے؟ ان وجوہات کے بارے میں سوچنے کی کوشش کیجیے آپ کچھ خاص معاملوں میں تبدیلی کیوں چاہتے ہیں اور کیوں نہیں چاہتے۔

اور زیادہ عام انداز میں بات کی جائے افراد اور ادارے خاصے قابل اندازہ طریقے کا طرز عمل اور سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث اور دلیل ان ممکنہ اسباب کے بارے میں ایک عام اور مجرد دلیل تھی کہ سماج کو تبدیلی کی مخالفت یا مزاحمت کیوں کرنی پڑ سکتی ہے۔ لیکن عموماً اس بات کی ٹھوس اور مخصوص وجوہات ہوتی ہیں کہ فی الحقیقت معاشرے تبدیلی کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ یاد کیجیے کہ باب 1 میں آپ نے سماجی ڈھانچے

اور سماجی طبقاتی تفریق کے بارے میں کیا پڑھا تھا۔ بسا اوقات معاشرے غیر مساوی طور پر منقسم ہوتے ہیں، یعنی مختلف طبقات کے معاشی وسائل، سماجی حیثیت اور سیاسی قوت پر اقتدار مقام اور درجہ مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تعجب کہ بات نہیں ہے کہ جو لوگ بہتر اور موافق حالات میں ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ صورت حال جوں کی توں قائم رہے جب کہ وہ لوگ جو دقتیں بھگت رہے ہیں تبدیلی کے لیے بے چین ہوتے ہیں۔ اس طرح سماج کے حکمراں اور غالب لوگ عام طور پر کسی بھی ایسی سماجی تبدیلی کی مزاحمت اور مخالفت کرتے ہیں جو ان کے مقام اور حیثیت کو بدل سکتا ہے کیونکہ استحکام میں ان کا مستقل مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔ دوسری جانب ماتحت اور دبائے ہوئے لوگوں کا مستقل مفاد تبدیلی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ معمول کے مطابق حالات عام طور پر امیروں اور طاقتور لوگوں کے لیے سازگار ہوتے ہیں اور اس لیے وہ تبدیلی کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ معاشروں کے عموماً مستحکم رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے۔

بہر حال سماجی نظام کا تصور محض تبدیلی کی مزاحمت تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس کے مثبت معنی بھی ہیں۔ اس سے مراد اقدار اور اصولوں کو برقرار رکھنا اور سماجی تعلقات کے ایک خاص انداز کی تشکیل نو ہے موٹے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سماجی نظام دو میں سے ایک طریقہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے ایک تو جب لوگ غیر ارادی طور پر ضابطے کے ایک مجموعہ کی پابندی کرنا چاہیں یا پھر جب لوگوں کو ان ضابطوں کو ماننے کے لیے مجبور کیا جائے۔ ہر سماج معاشرتی نظم کو برقرار رکھنے کے لیے ان طریقوں کو ملا کر ان کا استعمال کرتا ہے۔

سماجی نظام پر بے ساختہ رضا مندی بالآخر ان مشترکہ قدروں اور اصولوں سے نکلتی ہے جو اشترا کی عمل کے ذریعے داخل کی جاتی ہیں۔ (اس موضوع پر 'سماجیات کا تعارف' میں کی گئی گفتگو دیکھیے) سماجی بنانے کا عمل مختلف پس منظر میں کم و بیش کارگر ہو سکتا ہے مگر کتنا بھی اثر آفریں ہو فرد کی قوتِ ارادی کو پوری طرح مٹا نہیں سکتا۔ دوسرے الفاظ میں اشترا کی یا سماجی بنانے کے عمل سے لوگوں کو روبوٹ (Robot) نہیں بنایا جا سکتا جو دیے ہوئے پروگرام کے مطابق ان انسان نما پتلوں کی طرح کام کریں۔ اس عمل سے تمام اصولوں اور قدروں کے لیے ہمیشہ مستقل رضا مندی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے آپ اپنی زندگیوں میں ایسے تجربے سے گزرے ہوں۔ قاعدے اور اعتقادات جو کسی خاص موقعے پر بہت فطری اور درست نظر آتے ہیں۔ دوسرے موقعہ یا وقت پر اتنے صاف طور پر درست نظر نہیں آتے۔ ماضی میں جن چیزوں پر ہمارا یقین و اعتقاد تھا ہم ان پر سوال اٹھانے لگتے ہیں اور جن باتوں کو ہم صحیح یا غلط سمجھتے ہیں ان کے بارے میں اپنا ذہن اور رائے بدل دیتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے پرانے اعتقادات کی طرف لوٹ جائیں اور پھر ہم ان کو دوبارہ از سر نو اختیار کر لیں۔ تو اسی طرح جہاں اشترا کیت کاری سماجی نظام کو پیدا کرنے کا زیادہ بوجھ خود اٹھاتی ہے، یہ بذات خود اپنے میں کافی نہیں ہے۔

گویا زیادہ تر جدید معاشروں کو زبردستی کرنے اور مجبور کرنے کی قوت پر بھی کسی نہ کسی شکل میں انحصار کرنا چاہیے تاکہ افراد قائم کردہ سماجی اصولوں کے پابند رہیں طاقت کی عام طور پر یہ تعریف ہے کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ دوسروں سے کرا سکیں۔ اس سے قطع نظر دوسرے خود کیا چاہتے ہیں؟ جب طاقت کا رشتہ مستحکم ہو جاتا ہے اور اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور متعلقہ لوگ اپنے اپنے مقام کے عادی ہو جاتے ہیں یہ غلبہ کی صورت حال ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی سماجی وجود (کوئی شخص، ادارہ یا جماعت) عادتاً اور بطور معمول اقتدار میں ہے تو اسے غالب یا حاوی کہا جائے گا، عام حالات میں غالب ادارے، گروپ یا افراد سماج پر فیصلہ اور حتمی اثر قائم کر لیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انھیں کبھی للکارا نہیں جاتا لیکن یہ صرف غیر معمولی زمانے میں ہی ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی چیزیں کرنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتے، پھر بھی عام دنوں میں غلبہ ''ہموار'' ہو سکتا ہے ان معنوں میں کوئی لڑائی جھگڑا اور کشیدگی نہیں ہوتی۔ (باب اول میں ''زبردستی کا تعاون'' پر کی گئی گفتگو کو ایک بار دیکھیے)۔ مثال کے طور پر عورتیں اپنے آبائی خاندان کے حقوق کا دعویٰ کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟ وہ کیوں سرداری نظام کے اصولوں اور قاعدوں پر رضامند ہو گئیں؟

غلبہ، اقتدار اور قانون (Domination, Authority and Law)

ایسا کس طرح ہو سکتا ہے کہ غلبہ یا برتری تصادم اور کشاکش پیدا نہ کریں جب کہ اس میں غیر مساوی رشتے موجود ہوتے ہی ہیں کیوں کہ لاگت اور فوائد برابر برابر تقسیم نہیں کیے گئے ہیں۔ سوال کے ایک حصہ کا جواب ہمیں پچھلے باب کی گفتگو سے مل چکا ہے۔ حاوی گروپ اپنی طاقت کے بل بوتے پر غیر مساوی تعلقات سے تعاون لے لیتے ہیں۔ لیکن یہ طاقت کیوں کام کرتی ہے۔ کیا صرف طاقت کے استعمال کے خطرے کی وجہ سے کام کرتی ہے؟ یہاں ہم سماجیات کے ایک اہم تصور جواز یا جائز قرار دینے پر آتے ہیں۔

سماجی معنوں میں جواز یا جائز ہونے سے مراد قبولیت کے اس درجہ سے ہے جو طاقت کے رشتوں سے متعلق ہے۔ کوئی بھی جائز چیز مناسب، منصفانہ اور موزوں کے طور پر قبول کر لی جاتی ہے۔ وسیع ترین معنوں میں اس کو مروجہ سماجی معاہدہ کے حصہ کے طور پر مان لیا جاتا ہے۔ مختصراً استحقاق کا مطلب ہے حق، معقولیت اور انصاف۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ سماج میں طاقت اور اقتدار کی کیا تعریف بیان کی جاتی، بذات خود طاقت بس ایک حقیقت ہے، یہ جائز ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ میکس ویبر (Max Waber) نے اتھارٹی کو جائز طاقت یا اقتدار کہا ہے۔ یعنی طاقت کو مناسب، صحیح اور جائز سمجھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ایک پولیس افسر ایک جج یا اسکول کا مدرس یہ سب اپنے اپنے کام کے ایک حصہ کے طور پر مختلف قسم کے اقتدار و اختیار کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ اختیار انھیں صاف طور پر ان کے کاموں کی تفصیل اور فرائض مہیا کرتے ہیں۔ یہ تحریری دستاویزات ہوتے

ہیں جن میں ان کے اختیار کو بیان کیا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ انھیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔

یہ حقیقت کہ انھیں اختیار حاصل ہے از خود یہ معنی رکھتی ہے کہ سماج کے دوسرے اراکین، جو اس کے قواعد وضوابط کو ماننے کے لیے رضا مند ہو چکے ہیں ان کے لیے اس اتھارٹی کی تابعداری اس کے دائرہ کار میں کرنا لازم ہے۔ جج کا دائرہ کار عدالت کا کمرہ ہوتا ہے اور جب شہری عدالت میں ہوں تو ان کو جج کی بات ماننی چاہیے یا اس کے اختیار کا احترام کرنا چاہیے۔ عدالت سے باہر جج دوسرے شہریوں کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذا سڑک پر اسے پولیس افسر کے قانونی اختیار کو ماننا چاہیے۔ فرض کی انجام دہی کے وقت پولیس کو تمام شہریوں کی حرکات وسکنات پر پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ اپنے سے بڑے افسروں کے۔ لیکن شہریوں کی ذاتی سرگرمیوں پر پولیس افسروں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ غیر قانونی حرکتوں میں ملوث نہ ہوں۔ ایک مختلف طریقے سے ٹیچر کو کلاس روم میں اپنے طلبا پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔ مختلف اس لیے کہ استاد کے اختیار واقتدار واضح طور پر متعین نہیں کیے جاتے ہیں۔ استاد کا اختیار شاگرد کے گھر تک نہیں پہنچ سکتا جہاں والدین کو بچوں کی بنیادی ذمہ داری اور ان پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔

اختیار یا اتھارٹی کی دوسری شکلیں ہو سکتی ہیں جو اتنی سختی کے ساتھ اور صاف طور پر متعین نہیں کی گئی ہیں، لیکن پھر بھی تعاون اور رضامندی حاصل کرنے کے لیے موثر ہوتی ہیں۔ اس کی ایک اچھی مثال کسی مذہبی رہنما کا اقتدار اور اختیار ہے۔ اگرچہ قوانین کے پابند مذاہب نے اس اختیار کو رسمی شکل دے دی ہے، تاہم کسی فرقہ کا رہنما یا کسی کم رسمی درجہ کے چھوٹے مذہبی گروپ زبردست اقتدار و اختیار کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح نامور علماء، فنکار، مصنفین اور دیگر دانشور اپنے اپنے میدانوں میں بہت اختیار استعمال کر سکتے ہیں۔ جو غیر رسمی ہو سکتے ہیں۔ یہی بات جرائم پیشہ جتھے کے لیڈر پر بھی صادق آتی ہے۔ ایسے شخص کے پاس مکمل اختیار باقاعدہ تفصیلات کے بغیر ہو سکتا ہے۔ واضح قواعد وضوابط کے تحت اختیار اور غیر رسمی اختیار کے مابین فرق قانون کے تصور کے لیے اہم ہوتا ہے۔ قانون ایک واضح طور پر کوڈ کیا ہوا یعنی باقاعدہ مرتب کردہ قاعدہ ہے۔ عام طور پر یہ تحریری شکل میں ہوتا ہے اور ایسے قوانین موجود ہیں جو خصوصی طور پر بتاتے ہیں کون سے قانون کس طرح وضع یا تبدیل کیے جاتے ہیں۔ یا اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کیا کیا جاتا ہے۔ جدید طرز کے جمہوری سماج کے پاس قوانین کا ایک مجموعہ ہوتا ہے جو اس کے قانون ساز اسمبلیاں یعنی مقنّنہ تیار کرتی ہے جو منتخبہ نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ قانون رسمی قواعد وضوابط بناتا ہے جن کے تحت سماج پر حکومت کی جاتی ہے۔ قوانین کا اطلاق سب شہریوں پر ہوتا ہے۔ کوئی فرد اگر کسی قانون سے متفق نہیں ہے۔ تب بھی ایک شہری کی حیثیت سے اسے اس کو ماننا ہی پڑتا ہے اور ایسا کرنا ہر شہری کے لیے لازمی ہے خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔

لہٰذا غلبہ طاقت کے ذریعے کام کرتا ہے لیکن اس طاقت کا

بیشتر حصہ دراصل جائز ہوتا ہے۔جس کا بڑا حصہ قانون کی شکل میں مرتب ہوتا ہے۔رضامندی اور تعاون ایک متواتر اور قابل اعتماد بنیاد پر حاصل کیے جاتے ہیں کیوں کہ اس ڈھانچہ کی پس پشت جواز اور باقاعدہ ادارہ جاتی مدد ہوتی ہے۔اس سے غلبہ کا اختتام نہیں ہوتا سماج کی کئی طرح کی طاقت ہوتی ہے جو سماج میں موثر طور پر کام کرتی ہے اگر چہ طاقت ناجائز ہوتی ہے اور اگر جائز ہوتی بھی ہے تو قانون کی شکل میں مرتب نہیں ہوتی۔یہ جائز، قانونی اختیار اور دوسری قسم کی طاقت کے اختیار کا ایک مرکب ہوتا ہے، جو سماجی نظام کی ہیئت اور وضع کا تعین کرتا ہے اور اس کی حرکیات (dynamics) کا بھی۔

حجت بازی، جُرم اور تشدد (CONTESTATION, CRIME AND VOILENCE)

غلبہ، طاقت، جائز اختیار اور قانون کی موجودگی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہمیشہ ہی ان کی تابع داری اور پیروی ہوتی ہے، آپ سماج میں کشاکش اور مقابلہ کے بارے میں پہلے پڑھ چکے ہیں۔اسی طرح ہمیں سماج میں حجت بازی یا کٹ حجتی کی زیادہ عام شکلوں کو تسلیم کرنا چاہیے۔حجت بازی کو یہاں محض ایک لفظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔جس سے سماج میں کٹ حجتی کی زیادہ بڑی قسمیں ظاہر ہوتی ہیں۔مقابلہ اور کشاکش اس سے زیادہ مخصوص معنی کے حامل ہیں اور اختلاف رائے کی ان دوسری صورتوں کو الگ کر دیتے ہیں۔جو ایسی اصطلاحوں کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتے،

ایک مثال مخالف تہذیبوں کی ہے جو نو جوانوں میں پائی جاتی ہیں۔اس کو 'نوجوانوں کی بغاوت' بھی کہا جا سکتا ہے۔یہ مروجہ سماجی اصولوں کے خلاف احتجاج یا ان کی پیروی سے انکار ہے۔ان احتجاجات میں کئی قسم کی چیزیں ملوث ہوسکتی ہیں جیسے بال رکھنے کا ڈھنگ، کپڑوں کے فیشن، بول چال یا زندگی کے انداز، زیادہ روایتی یا معیاری مخالفت کی شکلوں میں انتخابات شامل ہیں جو سیاسی مقابلہ بازی کی ایک صورت ہے۔مخالفتوں اور تنازعات میں قانونوں اور قانونی طور پر صاحب اقتدار لوگوں کے خلاف احتجاج شامل ہیں۔کھلے اور جمہوری معاشرے یعنی سماج اس قسم کے اختلاف کی مختلف درجوں میں اجازت دیتے ہیں۔ایسے اختلافات کی کھلی اور پوشیدہ دونوں قسم کی حدود متعین کردی جاتی ہیں۔ان حدود سے تجاوز کرنے پر سوسائٹی یا سماج ردّعمل ظاہر کرتی ہے جو عام طور پر قانون لاگو کرنے والے صاحب اقتدار کرتے ہیں۔

جیسا کہ آپ بخوبی واقف ہیں، بطور ہندوستانیوں کے متحد ہونا ہمیں باہمی اختلاف نہیں روکتا۔مختلف سیاسی جماعتوں کے بالکل الگ الگ ایجنڈے ہو سکتے ہیں۔اگر چہ وہ سب ایک ہی آئین کا احترام کرتی ہیں۔ایک ہی قسم کے ٹریفک قاعدوں کا علم یا ان میں یقین سڑکوں پر گرما گرما بحث کو نہیں روکتا۔بالفاظ دیگر سماجی نظم وضبط کا مطلب ضروری نہیں کہ اتفاق رائے یا یگانگت ہو۔دوسری طرف اہم سوال یہ ہے کہ کتنا اختلاف اور مخالفت سماج برداشت کرتا ہے۔اس سوال کا جواب سماجی اور تاریخی

حالات پر منحصر ہے لیکن یہ سماج میں ایک اہم دیوار کھینچتا ہے، جائز اور ناجائز کے درمیان کی سرحد قانونی اور غیر قانونی اور قابل قبول کے درمیان کی دیوار ہے۔

حالاں کہ عام طور پر یہ سخت اخلاقی الزام کی طرح نظر آتا ہے، جُرم کا تصور صحیح معنوں میں قانون سے لیا گیا ہے۔ جرم ایک ایسا فعل ہے جس سے کسی موجود قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہ نہ اس سے زیادہ ہے نہ کم۔ اس فعل یعنی جرم کی اخلاقی قیمت محض اس حقیقت سے متعین ہوتی اس سے قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر موجودہ قانون کو غیر منصفانہ سمجھا جاتا ہے تو کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے اس کو اعلیٰ ترین اخلاقی وجوہات کی بنا پر توڑا ہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کے رہنما سوِل نافرمانی کی تحریک کے ایک حصے کے طور پر بالکل ایسا ہی کر رہے تھے۔ یعنی اس زمانے کے قانون کو توڑ رہے تھے۔ جب گاندھی جی نے ڈانڈی میں برطانوی حکومت کے نمک کے قانون کو توڑا تو انھوں نے ایک جرم کا ارتکاب کیا جس کے لیے انھوں گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن یہ جرم جان بوجھ کر اور فخر کے ساتھ کیا اور ان کے ساتھ ہندوستان کے لوگوں کو بھی ان پر ناز تھا۔ بلا شبہ صرف اس قسم کے جرم ہی سرزد نہیں کئے جاتے۔ دوسرے، بہت طرح کے جرائم ہیں جن کے لیے کسی اعلیٰ اخلاقی نیکی اور صفت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اہم بات یہی ہے کہ جرم قانون شکنی ہے۔ قانون میں متعین کردہ جائز مخالفت کی حدود کو پار کرنا ہے۔

تشدد کے مسئلہ کا تعلق وسیع ترین سطح پر ریاست کی بنیادی تعریف سے ہے۔ جدید ریاست کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر جائز تشدد کے استعمال کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں صرف ریاست ہی (اپنے مجاز کارکنوں کے ذریعے) قانوناً تشدد کا استعمال کر سکتی ہے۔ تشدد کے استعمال کی دوسری تمام مثالیں غیر قانونی کی تعریف میں آتی ہیں۔ (کچھ مستثنیات ہیں جیسے خود کا دفاع جو غیر معمولی اور شاذ و نادر حالات کے لیئے رکھی گئی ہیں۔) اس طرح اصول کے اعتبار سے تشدد کے ہر فعل کے بارے میں یہ مانا جاتا ہے کہ یہ ریاست کے خلاف سرزد ہوا ہے) اگر میں کسی شخص پر حملہ کرتا ہوں یا اس کو قتل کرتا ہوں تو ریاست ہی مجھ پر تشدد کے جائز استعمال کی اپنی اجارہ داری کی خلاف ورزی کا مقدمہ چلائے گی۔

یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہے کہ تشدد سماجی نظم کا دشمن ہے۔ یہ لڑائی جھگڑے کی ایک انتہائی شکل ہے جو نہ صرف قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ اہم سماجی قاعدوں اور قدروں کی پرواہ نہیں کرتا۔ سماج میں تشدد سماجی کھنچاؤ کی پیداوار ہوتا ہے اور سنگین مسائل کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے لیے بھی ایک خطرہ ہے۔ ان معنوں میں یہ جواز اور رضامندی کی برتری کی ناکامی کو بھی ظاہر کرتا ہے اور کھلے تنازعات کی ابتدا کرتا ہے۔

گاؤں، قصبہ اور شہر میں تبدیلی اور سماجی نظم
(SOCIAL ORDER AND CHANGE IN VILLAGE, TOWN AND CITY)

اکثر و بیشتر معاشروں کو دیہی اور شہری حصوں میں منقسم کیا جا سکتا

ہے۔ ان حصوں میں حالات زندگی، اور اس کی بنا پر سماجی تنظیم ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ لہٰذا اسی طرح ان کے سماجی نظم وترتیب اور اہم سماجی تبدیلی بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

ہم سب یہ سوچتے ہیں کہ ہم دیہات، قصبات اور شہروں کا مفہوم جانتے ہیں۔ لیکن دراصل ہم ان کے درمیان کس طرح فرق کرتے ہیں؟ (باب 5 میں ایم این۔ سری نواس والے سیکشن میں دیہات کے مطالعہ پر گفتگو بھی دیکھیے)۔ سماجیاتی نقطۂ نظر سے گاؤں سماجی ڈھانچہ میں اُن اہم تبدیلیوں کے ایک حصہ کے طور پر سامنے آئے جو خانہ بدوشی کی زندگی کے طریقوں سے، جو کہ شکار، غذا اکٹھی کرتے پھرنے اور ناپائیدار یا غیر مستقل کھیتی باڑی کے متحرک طریقوں کے بجائے غیر متحرک یا ایسے طریقوں کے آنے سے ایک جگہ جم کر زندگی گزارنا اور بسنا شروع کیا۔ کھیتی باڑی کے غیر متحرک طریقوں یا ایسے طریقوں کے آنے سے جن میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نہیں پڑتا تھا، سماجی ڈھانچہ بھی بدلا۔ زمین میں سرمایہ کاری اور زراعت میں تکنیکی اختراعات سے فاضل یعنی جینے کی ضرورت سے زیادہ پیداوار کے امکانات پیدا ہوئے۔ غیر متحرک یا قائم کھیتی باڑی کا مطلب تھا کہ دولت اکٹھی کی جا سکتی تھی اور اسی کے ساتھ سماجی تفریق شروع ہوئی۔ زیادہ ترقی یافتہ تقسیم کار نے پیشہ ورانہ تخصیص کاری کی ضرورت کو جنم دیا۔ ان تمام تبدیلیوں نے مل کر آبادی کی ایک خاص شکل پر مبنی سماجی تنظیم کی تشکیل کی، جو گاؤں کی صورت میں سامنے آئی۔

معاشی اور انتظامی معنوں میں دیہی اور شہری بستیوں میں عام طور پر دو بڑے عوامل کی بنیاد پر امتیاز یعنی فرق کیا جاتا ہے۔ آبادی کی گنجانی یا گھنا پن اور زراعت سے متعلق معاشی سرگرمیوں کا تناسب۔ (ظاہری شکل کے برعکس، سائز ہمیشہ فیصلہ کن نہیں ہوتا، صرف آبادی کی بنیاد پر بڑے گاؤں اور چھوٹے قصبوں کو الگ کرنا یا ان میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے) گویا گاؤں کے مقابلے شہروں اور قصبوں میں آبادی بہت زیادہ گنجان ہوتی ہے یا یوں کہیے کہ ایک اکائی رقبہ میں لوگوں کی تعداد کے اعتبار سے گاؤں زیادہ چھوٹے ہوتے ہیں لیکن وہ نسبتاً زیادہ بڑے رقبہ میں پھیلے ہوتے ہیں۔ دیہات، شہروں اور قصبوں میں فرق گاؤں کی معاشی زندگی کی وسیع تر زراعتی سرگرمیوں سے بھی ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر گاؤں کی آبادی کا اچھا خاصا حصہ زراعت سے وابستہ سرگرمیوں میں لگا ہوتا ہے، اور وہاں کی پیداوار کا بڑا حصہ زراعتی پیداوار پر مشتمل ہوتا ہے اور دیہات کی زیادہ تر آمدنی زراعت سے حاصل ہوتی ہے۔

قصبے اور شہر کا فرق انتظامی تعریف کا معاملہ ہے قصبہ اور شہر بنیادی طور پر ایک ہی طرح کی بستیاں ہوتی ہیں، بس فرق سائز کا ہوتا ہے۔ ایک 'شہری جھمگٹ' (سرکاری مردم شماری اور رپورٹوں میں مستعمل اصطلاح) کا مطلب اپنے اردگرد کے اور نیم شہری علاقوں اور بستیوں کو شامل کر کے ایک شہر۔ میٹروپولیٹن یا ام البلد کے علاقہ میں ایک سے زیادہ شہر ہوتے ہیں یا ایک مسلسل شہری بستی جو ایک واحد شہر سے کئی گنا بڑی ہوتی ہے۔

ان سمتوں کے پیش نظر جن میں جدید معاشرے ترقی پذیر ہوئے ہیں، بیشتر ملک شہر کاری کے عمل سے گزر چکے ہیں۔ یہ وہ عمل ہے جس کے ذریعے ملک کی آبادی کا رفتہ رفتہ بڑھتا ہوا حصہ دیہات کے بجائے شہروں میں رہتا ہے۔ زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک اب بے حد شہری ہو چکے ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں بھی شہر بنانے کا رجحان ہے۔ یہ تیز تر بھی ہو سکتا ہے اور سست رفتار بھی، لیکن جب تک اس رجحان کو روکنے کی خاص وجوہات نہ ہوں، یہ عمل اکثر صورتوں میں جاری رہتا نظر آتا ہے۔ فی الواقع اقوام متحدہ کی رپورٹ یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں پہلی بار 2014 کے دوران دنیا کی 54 فی صد آبادی شہری علاقوں میں رہتی ہے اور اندازہ یہ ہے کہ 2050 تک یہ تناسب 66 فی صد تک پہنچ جائے گا۔ ہندوستانی سماج بھی شہر کاری کے تجربے سے گزر رہا ہے۔ شہری علاقوں میں رہنے والی آبادی کا فی صد جو 1901 میں 11% سے کچھ کم تھا، آزادی کے فوراً بعد 1951 میں بڑھ کر 17% سے کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ مردم شماری 2011 کے مطابق تقریباً 37.7% ہندوستان کی آبادی شہری علاقوں میں رہتی ہے۔

دیہی علاقوں میں سماجی نظم اور سماجی تبدیلی

(SOCIAL ORDER AND SOCIAL CHANGE IN RUAL AREAS)

چوں کہ دیہات کے اصلی حالات مختلف ہوتے ہیں اس لیے ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ سماجی نظم اور سماجی تبدیلی بھی مختلف ہوگی۔ گاؤں سائز میں چھوٹے ہوتے ہیں، اس لیے وہاں عام طور پر ذاتی نوعیت کے تعلقات ممکن ہوتے ہیں۔ گاؤں کے لوگوں کے لیے زیادہ تر لوگوں کو دیکھ کر پہچان لینا ایک عام بات ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں کا سماجی ڈھانچہ، زیادہ روایتی طرز و انداز کو اختیار کرنے کے لیے ماحول بناتا ہے۔ ذات پات، مذہب اور دیگر رسوماتی اور روایتی سماجی رواج دیہات میں زیادہ گہرے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر، مخصوص حالات کے علاوہ، شہروں کے مقابلے گاؤں میں تبدیلی آہستہ آہستہ آتی ہے۔

اس کی دوسری وجوہات بھی ہیں۔ مختلف عوامل یقینی طور پر یہ بتاتے ہیں کہ سماج کے نچلے طبقوں کو دیہی علاقوں میں اپنی بات کہنے کے لیے شہر کے رہنے والوں کے مقابلے بہت کم مواقع حاصل ہیں۔ دیہات میں گم نامی اور فاصلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے لیے مخالفت کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ انھیں آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا ہے اور حاوی گروپ انھیں سبق سکھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب طبقات کی تناسبی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ روزگار کے مواقع اور ہر قسم کے دوسرے وسائل پر زیادہ تر ان کا اختیار ہوتا ہے، ہر چیز ان کے قبضے میں ہوتی ہے۔ اس لیے غریب لوگوں کو حاوی اور طاقتور گروپوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے کیونکہ مدد اور روزگار کے متبادل ذرائع موجود نہیں ہوتے۔ کم آبادی کے پیش نظر لوگوں کی بڑی تعداد کو اکٹھا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، خاص طور پر اس لیے کہ ایسی کوششوں کو طاقتور لوگوں سے چھپایا نہیں جا سکتا اور انھیں بہت جلدی دبایا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر کسی گاؤں میں پہلے ہی سے طاقت کا ایک مضبوط ڈھانچہ موجود ہو تو اسے اکھاڑ پھینکنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ یوں طاقت کی منتقلی کے معنوں میں تبدیلی

سست رفتار ہوتی ہے اور دیہی علاقوں میں دیر میں پہونچتی ہے کیوں کہ سماجی نظام زیادہ مضبوط اور لچکیلا ہوتا ہے۔

دوسری قسموں کی تبدیلی کے بھی دیہات میں آنے کی رفتار سست ہوتی ہے کیونکہ گاؤں منتشر ہوتے ہیں اور دنیا کے باقی حصوں کے ساتھ اتنی اچھی طرح جڑے ہوئے نہیں ہوتے جتنے کہ شہر اور قصبات۔ بلاشبہہ مواصلات کے نئے طریقوں، خاص طور پر ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن نے اس سب کو بدل دیا ہے، لہٰذا شہروں اور دیہاتوں کے درمیان کا ثقافتی فاصلہ اب بہت کم ہے یا ہے ہی نہیں۔ دوسری قسم کی مواصلاتی کڑیاں (سڑک، ریل) بھی وقت کے ساتھ ساتھ بہتر ہوئی ہیں اور دراصل اب کوئی گاؤں خود کو ''دور دراز'' اور ''تنہا یا دوسرے علاقوں سے کٹا ہوا'' نہیں کہہ سکتا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو ماضی میں بغیر سوچے سمجھے دیہات سے وابستہ کیے جاتے تھے۔ اس سے تبدیلی کی رفتار بھی قدرے بڑھی ہے۔

صاف اور کھلی وجوہات کی بنا پر زراعت پر یا زرعی سماجی تعلقات سے وابستہ تبدیلیوں کا دیہی معاشروں پر بہت اہم اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا ایسے اقدامات، جیسے زمینی اصلاحات جو زمین کی ملکیت کے ڈھانچے کو تبدیل کرتی ہیں، فوری طور پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ ہندوستان میں آزادی کے بعد زمینی اصلاحات کے پہلے مرحلے میں ایسے زمینداروں کے ملکیتی حقوق چھین لیے گئے تھے جو خود کاشتکاری نہیں کرتے تھے اور زمین پر موجود نہیں رہتے تھے۔ ان کے حقوق ان لوگوں کو دیے گئے جو واقعتاً گاؤں کی زمین کی دیکھ بھال کرتے اور اس پر کاشت کرتے تھے۔ ان لوگوں میں سے زیادہ تر گروپ درمیانی ذاتوں کے تھے اور حالاں کہ اکثر و بیشتر وہ کاشتکار نہیں تھے مگر انھیں زمین کے حقوق حاصل ہو گئے۔ ان کی تعداد کے ساتھ مل کر اس عنصر نے ان کے سماجی درجہ اور سیاسی قوت کو بڑھا دیا، کیونکہ انتخابات جیتنے کے لیے ان کے ووٹوں کی اہمیت تھی۔ ایم۔ این سری نواس نے ان گروپوں کو ''غالب ذاتوں'' کا نام دیا ہے۔ بہت سے علاقوں میں یہ بااقتدار یا غالب ذاتیں معاشی طور پر بہت طاقتور ہو گئیں اور دیہات پر چھا گئیں اور اسی لیے سیاست پر بھی حاوی ہو گئیں۔ حال کے برسوں میں انھی غالب ذاتوں کو خود اپنے سے چھوٹی ذاتوں کی مخالفت اور بغاوت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور یہ سب سے پس ماندہ ذاتیں ہیں جو اپنے حقوق کا دعویٰ کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سی ریاستوں جیسے آندھرا پردیش، بہار، اتر پردیش اور تمل ناڈو میں بڑی سماجی اتھل پتھل ہوئی ہے۔

اسی طرح زراعت کی حرفیاتی یا تکنیکی تنظیم کی تبدیلیوں نے دیہی سماج پر فوری اثر ڈالا ہے۔ مزدور بچانے کی نئی مشینری یا فصلوں کے نئے ڈھنگوں کے آجانے سے مزدوروں کی مانگ یا ضرورت میں تبدیلی آسکتی ہے اور اسی طرح مختلف سماجی گروپوں، جیسے زمین داروں ور مزدوروں کی تناسبی سودے بازی کی قوت میں تبدیلی آسکتی ہے۔ اگر یہ نئی ایجادیں اور جدید طریقے مزدوروں کی طلب پر براہ راست اثر انداز نہیں

> **عملی کام 5**
>
> قومی دیہی روزگار کی گارنٹی کے ایکٹ 2005 کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔اس قانون کا کیا مقصد ہے؟اس کو اتنا اہم ترقیاتی پروگرام کیوں سمجھا جاتا ہے؟اس پروگرام کو کیا دقتیں درپیش ہیں؟اگر یہ کامیاب ہوتا ہے تو اس کے کیا نتائج مرتب ہوں گے؟

بھی ہوتے تب بھی یہ معاشی اور ٹیکنالوجی کی تبدیلیوں کا ایک سلسلہ شروع کرسکتی ہیں۔زراعتی اشیا کی قیمتوں میں اچانک اتار چڑھاؤ ،خشک سالی یا سیلاب دیہی معاشرے میں تباہی وبربادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ہندوستان میں کسانوں کی بڑے پیمانے پر حالیہ خودکشیاں اس کی ایک مثال ہیں۔دوسری طرف بڑے بڑے پیمانے کے ترقیاتی پروگرام بھی، جو دیہی علاقوں کے لیے شروع کیے گئے ہیں۔زبردست اثر ڈال سکتے ہیں، اس کی ایک اچھی مثال قومی دیہی روزگار کی گارنٹی کا قانون (National Rural Employment Guarantee Act,2005) ہے

شہری علاقوں میں سماجی نظم اور سماجی تبدیلی
(SOCIAL ORDER AND SOCIAL CHANGE IN URBAN AREAS)

یہ بات سب جانتے ہیں کہ شہر بذات خود بہت پرانی چیز ہیں۔دورقدیم کے معاشروں میں بھی شہر ہوتے تھے۔آبادی کے بڑے حصوں کے لیے زندگی کے طریقے کے طور پر شہر بنانا اور آباد کرنا ایک جدید مظہر ہے ۔دورجدید سے قبل تجارت، مذہب اور جنگ جوئی شہروں کے محل وقوع اور اہمیت کا فیصلہ کرنے کے لیے اہم عوامل تھے ۔ایسے شہر جو بڑے تجارتی راستوں پر واقع تھے یاجہاں موزوں گودیاں اور بندرگاہیں تھیں، انھیں قدرتی طور پر سبقت حاصل تھی۔اسی طرح وہ شہر جو فوجی حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے اچھی جگہوں پر واقع تھے، بہتر حالت میں تھے۔آخری بات یہ کہ مذہبی مقامات زائرین کی بڑی تعداد کو اپنی طرف کھینچے تھے اور اس طرح شہری معیشت کے لیے مدد فراہم کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی ایسے پرانے شہر شیز پور (آسام) میں دریائے برہم پتر پر واقع تھا کوزی کوڈ (جسے پہلے کالی کٹ کے نام سے جانا جاتا تھا)۔جو بحیرۂ عرب میں شمالی کیرل کے ساحل پر واقع تھا ،شامل ہیں اور مشہور ومعروف ہیں۔

ہمارے یہاں مندروں کے شہروں اور زیارات کے مقامات کی بھی بہت سی مثالیں ہیں، جیسے راجستھان میں اجمیر، اترپردیش میں وارانسی (جو بنارس یا کاشی کے نام سے بھی مشہور ہے) یا تامل ناڈو میں مدورائی۔

جیسا کہ ماہرین سماجیات نے بتایا ہے،شہری زندگی اور جدت پسندی کا اچھا میل ہے بلکہ دراصل دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کا قریبی اظہار سمجھنا چاہیے۔حالاں کہ شہر میں بہت بڑی اور گھنی آبادی ہوتی ہے اور یہ پوری تاریخ کے دوران عوامی سیاست کی جولان گاہ رہا ہے،شہر جدید آدمی کی جاگیر بھی ہے۔ گم نامی اور سہولتوں اور ایسے اداروں کے امتزاج کے ساتھ

جنھیں صرف بڑی آبادی ہی سہارا دے سکتی ہے، شہر فرد کو حصول اور تکمیل کے بے شمار مواقع پیش کرتا ہے۔ گاؤں کے برعکس جہاں انفرادیت کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور جہاں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، شہر فرد کی پرورش کرتا ہے۔

لیکن جہاں ایک طرف بہت سے فن کاروں، انشاء پردازوں اور علماء نے شہر کو فرد کے لیے جائے پناہ کہہ کر اس کی تعریف کی ہے وہیں یہ بھی سچ ہے کہ آزادی اور مواقع صرف چند افراد کو ہی آسائش میسر ہوتی ہے۔ شہروں میں رہنے والے زیادہ تر لوگوں کو بڑی مجبوریوں میں رہتے ہوئے محدود آزادی ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ جانی پہچانی معاشی اور سماجی پابندیاں اور مجبوریاں ہیں جو مختلف قسم کے گروپوں کی رکنیت ان پر تھوپ دیتی ہے، جن کے بارے میں آپ پچھلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ شہر بھی گروپوں کی شناختوں کی پرورش کرتا ہے، جو نسل، مذہب، ذات پات، علاقہ اور طبقہ پر مبنی ہوتی

ڈاکٹر ایک مریضہ کا معائنہ کرتی ہوئیں

دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ صرف سماجی اور معاشی اعتبار سے مراعات یافتہ ایک اقلیت یعنی بہت چھوٹے تعداد میں کچھ لوگوں کو ہی ایک نمایاں طور پر آزاد تکمیلی زندگی کی ہیں اور جن کو شہری زندگی میں اچھی نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔ در حقیقت نسبتاً چھوٹی جگہ میں بڑی تعداد کا اکٹھا ہو جانے سے شناختوں میں شدت آجاتی ہے اور یہ صورت حال شناختوں کو

بقا، مزاحمت اور زور دینے کی حکمت عملیوں کا حصہ بنا دیتی ہے۔

شہروں اور قصبوں میں سماجی نظام کے زیادہ تر مسائل کا تعلق جگہ کے سوال سے ہے۔ آبادی کا زیادہ گھنا پن جگہ پر بوجھ ڈال دیتا ہے اور حکمت عملی کے بہت پیچیدہ مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ شہری سماجی نظم کا بنیادی کام شہر کی جگہ سے متعلق استعداد اور قوت مقابلہ کو یقینی بناتا ہے۔ اس کا مطلب ہے ایسی چیزوں کی تنظیم اور انتظام کرنا جیسے: مکانوں اور رہائش سے متعلق طریقے اور انداز بڑے پیمانے کا آمد و رفت کا نظام جو لوگوں کو کام کی جگہ پہنچانے اور واپس لانے کا کام کرے۔ زمین کے رہائشی، عوامی اور صنعتی استعمال کے علاقوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رکھنے کا انتظام۔

اور آخر میں شہر کے انتظام اور حکومت کو چلانے کے سلسلے میں حفظانِ صحت عامہ، صفائی ستھرائی، پولیس کی گشت اور دیکھ بھال، تحفظ عامہ اور شہری حکومت چلانے کی نگرانی کی ضرورت۔ ان میں سے ہر ایک کام ایک بڑی ذمہ داری ہے اور منصوبہ بندی عمل درآمد اور برقراری کے بڑے مشکل چیلنج سامنے رکھتی ہے۔ پیچیدگی میں جو چیز اضافہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام کاموں کو ایسے پس منظر میں پورا کرنا ہے جہاں طبقاتی، نسلی، مذہبی، ذات پات وغیرہ کی بنیاد پر تفریق اور کشیدگی موجود ہیں اور متحرک ہیں۔

مثال کے طور پر شہروں میں لوگوں کے لیے مکانوں کے انتظام کے سوال پر دنیا بھر کے سوال سامنے آجاتے ہیں۔ غریبوں کے لیے مکانوں کی کمی سے خانماں بربادی پیدا ہوتی ہے اور ''بازاری لوگوں'' کا مظہر سامنے آتا ہے۔ یعنی ایسے لوگ جو

بچوں کی نگہداشت کرتی ایک بچی

شہر کا ایک اقتصادی مرکز

روئی کے کھیت میں مزدور عورتیں

سڑکوں اور پیدل پٹریوں پر، پُلوں کے نیچے، غیر آباد مکانوں اور دوسری خالی جگہوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ گندی بستیوں کے وجود میں آنے کی بھی ایک بڑی وجہ ہے ۔سرکاری طور ایسی بستیوں کے تعریفیں مختلف ہیں لیکن گندی بستی ایک تنگ گنجان، اور بھیڑ بھاڑ والی بستی ہے جہاں شہری سہولتیں (صفائی ستھرائی، پانی کی فراہمی، اور بجلی وغیرہ) نہیں ہوتیں اور گھر ہر قسم کے سامان سے تیار کئے ہوئے ہوتے ہیں جو پلاسٹک کی چادروں اور گتہ کے ڈھانچوں سے لے کر کئی منزلہ پکی عمارتوں تک بنے ہوتے ہیں ۔ چوں کہ ایسی بستیوں میں دوسری جگہوں کی طرح مستقل ملکیتی حقوق نہیں ہوتے ہیں اس لیے یہ بستیاں ''دادا'' لوگوں اور مسٹنڈہ غنڈوں کی آماجگاہ بن جاتی ہیں جو وہاں کے رہنے والوں پر دھونس جماتے ہیں۔ گندی بستیوں پر اختیار دوسری قسم کی غیر قانونی حرکتیں کرنے کے لیے مواقع فراہم کرتا ہے جن میں املاک اور زمین سے متعلق جرائم پیشہ جتھے شامل ہیں۔

شہروں میں لوگ کہاں اور کیسے رہیں گے؟ یہ ایسا سوال ہے جو سماجی، ثقافتی شناختوں تک پہنچ جاتا ہے ۔ پوری دنیا میں شہروں کے رہائشی علاقے طبقہ، اور اکثر نسل، مذہب اور اسی طرح کے دوسرے اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الگ رہتے

شہری علاقوں میں مختلف قسم کے ذرائع نقل وحمل

شہر میں خریداری

ہیں۔ایسی امتیازی شناختوں کے درمیان کشیدگیاں یہ علیحدگی پیدا کرتی ہیں اور یہ اس کا نتیجہ بھی ہوتی ہیں ۔مثال کے طور پر ہندوستان میں مذہبی فرقوں کے مابین فرقہ وارانہ کشیدگی، جوزیادہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہوتی ہے،اس کے نتیجے میں ملی جلی بستیاں ایک واحد فرقہ کی بستیوں میں بدل جاتی ہیں۔ پھر اس کا نتیجہ فرقہ وارانہ تشدد کے وقت مخصوص مکانی نمونے کی شکل میں ظاہر ہوتا یعنی ایک جگہ پر ایک فرقہ اور دوسری جگہ دوسرا فرقہ آپس میں بھڑتے ہیں۔ جو ایک بار پھر گندی بستیوں کے قیام کو آگے بڑھاتا ہے۔ ہندوستان کے بہت سے شہروں میں ایسا ہو چکا ہے اور ابھی حال کے دنوں میں 2002 کے فسادات کے بعد گجرات میں دیکھا گیا ہے۔''محصور فرقوں'' کا مظہر ہندوستان کے شہروں میں بھی پایا جاتا ہے۔اس سے مراد ایسی مالدار بستیوں کا قیام ہے جو اپنے گردونواح اور اطراف سے دروازوں یا دیواروں کے ذریعہ الگ کردی جاتی ہیں اور جہاں داخل ہونا اور جہاں سے باہر نکلنا نگرانی اور پابندی کے تحت ہوتا ہے۔ایسی بستیوں کی اکثر و بیشتر اپنی الگ ہی شہری سہولتیں ہوتی ہیں، جیسے پانی اور بجلی کی

عملی کام 6

کیا آپ نے اپنے شہر میں ایسی محصور بستیوں کو دیکھا ہے؟ یا آپ ان میں سے کسی میں گئے ہیں۔اپنے بڑوں سے کسی ایسی بستی کے بارے میں معلوم کیجیے۔ چہار دیواری اور دروازے کب لگائے گئے؟ کیا کسی نے اس کی مخالفت کی تھی؟ اگر کی تھی تو کس نے کی تھی؟ ایسی جگہوں پر رہنے کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں ؟ آپ کے خیال میں شہری سماج اور اس کے گردونواح کی بستیوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

سپلائی، پہرہ اور حفاظت کا انتظام۔

آخری بات یہ ہے کہ مکانوں کے انداز شہر کی معیشت کے ساتھ بہت اہم طریقوں پر وابستہ ہوتے ہیں ۔شہری علاقوں کے ذرائع آمدورفت اور نقل وحمل کا نظام صنعتی اور تجارتی کاموں کے مقامات کی نسبت سے رہائشی علاقوں کی جائے وقوع پر براہ راست اور شدید طور پر متاثر ہوتا ہے۔اگر یہ ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں، جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، تو اس صورت میں بڑے پیمانے کا آمدورفت کا نظام بنانا اور قائم رکھنا اشد ضروری ہے۔کام یا ملازمت کی جگہ اور گھر کے درمیان آنا جانا ایک طرز زندگی بن جاتا ہے اور ممکنہ رکاوٹ اور گڑبڑ کا ہمیشہ نظر آنے والا ایک سرچشمہ بھی ،شہر میں کام کرنے والے لوگوں کی زندگی کے معیار پر ٹرانسپورٹ کے نظام کا براہ راست اثر پڑتا ہے۔سڑکوں کے ذرائع آمدورفت پر انحصار اور خاص طور پر عوامی ذرائع کے بجائے نجی ذریعوں (یعنی بسوں کی جگہ کاروں) پر انحصار

لمبی دوری کے روزانہ آنے جانے والے لوگ ایک بارسوخ اور موثر سیاسی حلقہ بن سکتے ہیں اور کبھی کبھی باقاعدہ وسیع پیمانہ کی اپنی ذیلی ثقافتیں بنا لیتے ہیں۔مثال کے طور پر ممبئی کی مضافاتی ریل گاڑیاں ،جنھیں عام طور پر ''مقامی'' کہا جاتا ہے، ان کی روزانہ کے مسافروں کی بہت سی غیر رسمی انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔ ٹرین میں سفر کے دوران کی اجتماعی سرگرمیوں میں بھجن گانا، تہوار منانا، سبزیاں کاٹنا، تاش کھیلنا اور بورڈ یا تختہ پر کھیلے جانے والے کھیل (بشمول ٹورنامنٹ) یا محض عام میل جول شامل ہوتے ہیں۔

ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ اور گاڑیوں سے پیداشدہ آلودگی اور کثافت کا مسئلہ پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی گفتگو سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا رہنے کے لیے جگہ کی تقسیم کا بظاہر سیدھا سادہ معاملہ دراصل شہری سماج کا ایک بہت ہی پیچیدہ اور کثیر جہتی پہلو ہے۔

شہری علاقوں میں سماجی تبدیلی کی شکل اور مواد کو جگہ کے مرکزی سوال کے تعلق سے بہترین طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ تبدیلی کا ایک صاف طور پر نظر آنے والا عنصر وہ اتار چڑھاؤ ہوتے ہیں جو خاص بستیوں اور محلوں میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ پوری دنیا میں شہر کا مرکز۔ یا اصلی شہر کے بیچوں بیچ کا علاقہ۔ قیمت کی بہت سی تبدیلیوں سے گزرا ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اقتدار کا مرکز رہنے کے بعد، شہر کا مرکز بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں زوال کے دور سے گزرا۔ یہ مضافات کے فروغ کا زمانہ بھی تھا کیوں کہ مال دار طبقوں نے شہر کے اندرونی علاقوں کو چھوڑ کر مختلف وجوہات کی بنا پر مضافات یعنی باہری بستیوں کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا تھا۔ مغربی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں شہروں کے مراکز کو دوبارہ زندہ کرنے کی ابتدا ہوئی ہے۔ یہ اجتماعی زندگی کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوششوں کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ اسی سے متعلق ایک مظہر ''شرفا کی بستیاں بسانا'' ہے جس کا مطلب ہے کہ پہلے کی نچلے طبقے کی بستیوں کو متوسط اور اعلیٰ طبقوں کی بستیوں میں تبدیل کرنا۔

جوں جوں جائدادوں کی قیمتیں بڑھتی ہیں بستیاں بنانے والوں کے لیے اس طرح کی تبدیلی کی کوشش اور تکمیل زیادہ منافع بخش ثابت ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی وقت ایسی مہم اپنی تسکین کا باعث ہو جاتی ہے کیوں کہ مکانوں کے کرائے بڑھتے ہیں اور محلّہ یا علاقہ کو ایک خوشحال کاروبار اور خوش حال مکین مل جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسی کوشش ناکام بھی ہو سکتی ہے اور بستی نچلے درجہ کے پیمانے پر نیچے آ جاتی ہے اور اپنی پرانی حیثیت پر لوٹ آتی ہے۔

عملی کام 7

کیا آپ اپنے پڑوس یا اردگرد کے علاقہ میں ''شرفا کی بستیاں قائم کرنے'' یا '' درجہ بلند'' کرنے کا کام ہوتے دیکھا ہے؟ کیا آپ کے علم میں ایسی مثالیں ہیں؟ معلوم کیجیے کہ اس کے ہونے سے پہلے بستی کا کیا حال تھا۔ اب یہ کن معنوں میں بدلی ہے؟ ان تبدیلیوں کا مختلف سماجی گروپوں اور طبقات پر کیا اثر پڑا ہے؟ اس کا فائدہ کس کو ہوتا اور اس سے کون نقصان میں رہتا ہے؟ اس قسم کی تبدیلیوں کا فیصلہ کون کرتا ہے؟ کیا ووٹ دیا جاتا ہے یا کسی قسم کی کھلی بحث ہوتی ہے؟

عوامی ذرائع آمد و رفت کے طریقوں میں تبدیلیاں

اہم سماجی تبدیلی لا سکتی ہے۔سستا، کارگر اور محفوظ نظام نقل وحمل شہری زندگی کو بہت مختلف بنا دیتا ہے اور معاشی تقدیر کو بدلنے کے علاوہ شہر کے سماجی کردار کی تشکیل کر سکتا ہے ۔بہت سے دانشوروں نے لندن اور نیویارک جیسے عوامی ذرائع نقل وحمل پر مبنی شہروں اور لاس اینجلز کی طرح نجی موٹر گاڑیوں پر منحصر شہروں کے فرق کے بارے میں لکھا ہے۔مثال کے طور پر اب یہ دیکھنا ہے کہ دہلی کی نئی میٹرو ریل آیا شہر کی سماجی زندگی میں کوئی اہم فرق لا سکے گی یا نہیں۔لیکن شہروں کی سماجی زندگی میں تبدیلی کے ضمن میں خصوصاً تیزی کے ساتھ شہر کاری کرتے ملکوں کے ضمن میں اہم سوال یہ ہے کہ شہر کس طرح آبادی میں لگا تار اضافہ کا سامنا کرے گا جب کہ تارکین وطن اس کے قدرتی فروغ میں اضافہ کرنے کے لیے آتے ہی رہتے ہیں۔

اصطلاحات

کسٹم ڈیوٹی ،محصول (Customs Duties, Triffs) اس سامان پر عائد ٹیکس جو ملک میں آتا ہے اور ملک سے باہر جاتا ہے اس سے ان چیزوں کی قیمت بڑھتی ہے اور یہ چیزیں مقامی طور پر تیار کی گئی چیزوں کے مقابلے میں مہنگی پڑتی ہیں اور اس طرح کم مسابقتی ہو جاتی ہیں۔

برتر ذاتیں(Dominant Castes)یہ اصطلاح جو ایم۔این۔سری نواس سے منسوب کی جاتی ہے۔ان سے مراد زمین کی ملکیت رکھنے والی درمیانی ذاتیں ہیں جو تعداد میں زیادہ ہیں اور اس لیے اپنے علاقے میں انھیں سیاسی برتری حاصل ہوتی ہے۔

محصور بستیاں(Gated Communities) شہری علاقے (عموماً اعلیٰ طبقہ اور خوش حال لوگ) جنھیں گردونواح سے باڑ لگا کر یا دیواروں کے ذریعے اور بڑے بڑے دروازے لگا کر الگ کر دیا جاتا ہے

شرفا کی بستیاں بسانا (Gentrification) نچلے طبقہ کی (شہری) بستی کو متوسط یا امیر طبقہ کی بستی میں تبدیل کرنا

یہودی باڑہ، یہودی باڑی بنانا ایک طرح کے لوگوں کا محلّہ بنانا (Ghetto, Ghettoization) اصل میں اس اصطلاح سے لیا گیا ہے جو اس محلّہ کے لیے استعمال کی جاتی تھی جہاں عہد وسطیٰ کے یوروپی شہروں میں یہودی رہا کرتے تھے۔ آج کل یہ اصطلاح کسی بھی ایسی بستی کے لیے استعمال کی جاتی ہے جہاں ایک ہی مذہب، نسل، ذات یا کوئی دوسری مشترکہ شناخت کے لوگوں کا جمگھٹ ہو۔ ایسی بستیاں بسانا وہ عمل ہے جس کے ذریعہ ملے جلے لوگوں کی بستی کو ایک ہی فرقہ کی بستی میں بدل دیا جائے۔

جائز بنانا (Legitimation) جائز بنانے کا عمل یا وہ وجوہات جن کی بنیاد پر کسی چیز کو جائز سمجھا جائے یعنی انصاف پر مبنی، مناسب اور صحیح وغیرہ

بڑے پیمانے کی منتقلی (Mass Transit) شہر میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد کے لیے تیز رفتار ذرائع نقل و حمل

مشقیں

سوال 1. کیا آپ اس بیان سے متفق ہیں کہ تیز رفتار سماجی تبدیلی انسانی تاریخ میں مقابلتاً ایک نیا مظہر ہے؟

سوال 2. سماجی تبدیلی اور دوسری قسم کی تبدیلیوں میں کس طرح امتیاز کیا جاسکتا ہے؟

سوال 3. ڈھانچہ کی تبدیلی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ایسی مثالوں کے ذریعے واضح کیجیے جو اس کتاب کے متن میں نہیں ہیں۔

سوال 4. ماحول سے وابستہ سماجی تبدیلی کی چند قسمیں بیان کیجیے۔

سوال 5. مختلف تبدیلیاں بتائیے جو معیشت اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے آئی ہیں۔

سوال 6. سماجی نظم کا کیا مطلب ہے اور اسے کس طرح برقرار رکھا جاتا ہے؟

سوال 7. اتھارٹی یا اقتدار کیا ہے اور یہ کس طرح قانون کی برتری سے جڑا ہوا ہے؟

سوال 8. گاؤں، قصبہ اور شہر میں کیا فرق ہے؟

سوال 9. دیہی علاقوں میں سماجی نظم کی چند خصوصیات کیا ہیں؟

سوال 10. شہری علاقوں میں سماجی نظم کو درپیش مشکلات کون سی ہیں؟

حوالہ جات

- سوشیولوجی (چوتھی طباعت) اینٹونی گڈنز
- میکس ویبر سی رائٹ ملز اور ہنس گرتھ
- دی آئڈیا آف اِنڈیا، (2002) سنیل کھلٹانی، پنگوٹن بکس، نئی دہلی
- ربن سوشیولوجی (2006) کشل دیب اور سجاتا پٹیل (سماجیات اور سماجی انسانیات سیریز سے)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی
- سوشل چینج ان موڈرن انڈیا ایم، این، سری نواسن